

(۲)

از قلم مولانا محمد اشرف صاحب الیم اے
صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور
رفیق اعزازی الحق

موجودہ
دینی
انحطاط

اور اس کا بڑا سبب

اس لئے علمی محاذ پر سب سے پہلی ضرورت ان مفروضہ علمی حقائق و یقینات کا تجزیہ ہی بتایا جائے کہ ان علوم کا اکثر حصہ محض ظن و تخمین، قیاسات اور ادہم پر مبنی ہے۔ اور علوم انسانی کا وہ حصہ جسے تاریخی تواتر اور متواتر تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر یقینات کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ وہ بھی ہر آن تغیر و تبدل کا محل، اوچھا اور اشیاء کی اصل حقیقت جاننے سے قاصر ہے۔ (خواص اشیاء کا جاننا اور بات ہے اور حقیقت اشیاء کا جاننا اور) اس بنا پر ایمانی حقائق اور دینی مسلمات کا مدار ان ظنوں و قیاسات پر نہیں رکھا جاسکتا، ضرورت ہے کہ الہی علم کے حکم، یقینی لامحدود اور پائیدار ہونے کو ثابت کیا جائے، اور انسانی علوم پر اسکی فوقیت جتائی جائے، اور ان علوم کے اس حصہ کی تنقید و ابطال کیا جائے۔ جو الہی یقینی علوم سے ٹکراتے ہیں، اس سلسلہ میں یہ بات واضح کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ کہ انسانی ظنی علوم کے صرف اسی حصہ کی نشاندہی اور رد ضروری ہے۔ جو دینی حقائق سے ٹکراتا ہو، ورنہ جو حصہ دین سے نفیاً یا اثباتاً مخالف نہیں۔ اس کے درپے ہونا سعی لا حاصل ہے۔ غرض ایک طرف انسانی علوم کے ارتقاء کی تاریخ، ان کا تجزیہ ان کا ظنی ہونا اور الہیات کے بارے میں اس کی نارسائی اور بیچارگی اور انسانی مسائل کے حل کرنے میں اس کی ناکامی کو واضح کیا جائے۔ تو دوسری طرف الہی علوم کی حقیقت و اہمیت، انسانوں کی رہنمائی کے لئے اس کی ضرورت اس کا یقینی اور غیر تبدیل ہونا اور انسانی مسائل کا صحیح و دائمی حل انہیں سے ثابت کیا جائے، الہیات کے بارے میں عصرِ نو کی بے بصری انسانی کمالات و جواہرِ اصلہ کی ناشناسی اور اس کے ضیاع کی کوششوں کی نشاندہی کی جائے اور یہ بات واضح کر دی جائے کہ صنعت اشیاء کا اپنا میدان ہے، اور انسانی جواہرات کے پھکنے کا دوسرا محل ہے۔ آج مادہ و اشیاء بن رہی ہیں۔ اور انسان انسان کی حیثیت سے مٹا چلا جا رہا ہے۔ انسان کائنات کے ظواہر

کی تسخیر میں کسی مقام پر پہنچ جائے، اس کا علم الہیات کے حقائق اور سچائیوں کے جاننے سے قاصر رہے گا، کہ یہ علوم و حقائق حریم نبوت کے دائرے و حدود سے باہر کسی پر نہیں کھولے جاتے۔ جیسے بصارت سے محروم شخص کسی چیز کی رویت سے محروم رہتا ہے۔ اسی طرح نبوی بصیرت ہی پر الہیات کا باب کھولا جاتا ہے۔ اور پھر دنیا میں جسے ملتا ہے، انہیں کے واسطے ملتا ہے۔ بہر حال مقصد یہ ہے کہ موجودہ علوم و فنون کی تابانی کی بناء پر نبوی علوم کا انکار، الہی حقائق کا ابطال، عقائد دینیہ کا رد۔ ناواقفیت، بہالت، تفسیح ناشناس اور خود اس علم کا بے محل استعمال، ناانصافی اور ظلم و زیادتی ہے۔ ان علوم کا دائرہ الہی اور دینی علوم سے جداگانہ و علیحدہ ہے۔ کہ اگر ان انسانی علوم کی رسائی الہی حقائق، غیبی و روحانی رموز و دقائق، دینی صداقتوں اور نبوی علوم تک کسی صورت میں بھی ہو سکتی اور انسان پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت اور الہیات کے دیگر مسائل اس کی عقلی و تجرباتی قیاسی اور ظنی کوششوں سے کھل سکتے تو انبیاء کی بعثت کی قطعاً ضرورت نہ تھی، نبوت مہیبت و اجتناب ہے۔ کسب و تجربہ عقل و ظن کا اس میں کوئی دخل نہیں، اس لئے دنیاوی علم و فہم تجربہ و عقل کے آسمانوں پر اڑنے والے اور سورج اور چاند پر رسائی پانے والے اذہان الہیات کی دنیا اور معرفت و عرفان کے عالم میں اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں، یہی وہ حقیقت ہے۔ جسے نہ سمجھنے کی بنا پر ہمارا ایک اچھا خاصہ طبقہ دینی حقائق اور الہی صداقتوں کے بارے میں مذہب اور شک و ریب میں مبتلا ہو گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ طبعیات و الہیات کے دائرہ اور انسانی اور نبوی علوم کی حدود کو متعین کیا جائے، آج بھی موجودہ علوم و سائنس کے ماہرین کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا وہ قول صادق آتا ہے۔ جو قدیم طبعیین و فلاسفہ کے متعلق انہوں نے کہا تھا:

نعم لهم في الطبعيات كلام غالب	فلاسفہ و طبعیین کا طبعیات کے بارے میں
جيد وهو كلام كثير واسع - ولهم	جو کلام ہے اس کا غالب حصہ عمدہ ہے۔
عقول عرفوا بها ذلك وهم قد	اور یہ کلام کثیر و وسیع ہے۔ ان کی عقلوں
يقصدون الحق لا يظهر عليهم	نے ان علوم کو جانا ہے۔ اور وہ اس بارے
العناد ولكنهم جهال به العلم	میں حق کا قصد کرنے والے ہیں۔ اور عناد
الالهی الى الغایة ایس عندهم	ظاہر نہیں کرتے۔ لیکن علم الہی کے بارے
الاقليل كثير الخطاء	میں غایت و وجہ جاہل ہیں۔ اور ان کے
(کتاب الرد علی المنطقین ص ۱۳۲ ابن تیمیہ)	یاس علوم الہیہ کا بہت ہی قلیل غلط سے بھرپور حصہ ہے۔

دانشِ حاضرہ کے فریب نے دین و ایمان کے نور کو جس طرح سلب یا مضمحل کر دیا ہے۔ اس کے علاج و مداوا کے لئے سب سے اہم و اقدم ضرورت ایمانیات کی تجدید و ریسورخ کی ہے۔ ایمان و یقین کی ضرورت و اہمیت، اس کی قیمت و وقعت، اس کی حقیقت و افادیت، اس کے حصول کے طرق و ذرائع کی تعین و ترتیب کو نئے طرز سے واضح و برہن کرنا ہے۔ قرآن کریم و احادیثِ نبویہ کے ان گوشوں کو سامنے لانا ہے۔ جو تجدیدِ ایمان کی اس کوشش میں عصرِ حاضر کے نئے ضروری و لازمی ہیں۔

تجدیدِ ایمان و یقین کی اس کوشش میں جتنا بھی سنجیدہ اور معیاری لٹریچر انگریزی، عربی، اردو وغیرہ میں مرتب کیا جائے، اور جدید طبقہ میں پھیلا یا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ نفع سے خالی نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ذہنی سطح کے مختلف مدارج اور دین و ایمان کے تقادوت اور اتحاد و ارتیاب کی متفرق منازل اور دیگر معلوم وجوہ کی بنا پر اس قسم کی کتابوں میں کم و کیف، مغز و پوست کے لئے ہر لحاظ سے تنوع لازمی ہے۔ تاہم ایک بات سب میں مشترک ہونی چاہئے۔ وہ ایمان و یقین کا احیاء، حقائقِ دینیہ، مغیبات اور اسلام کے ابدی ہونے پر غیر متزلزل عقیدہ کا پیدا کرنا ہے۔ یہ کتب ذاتِ باری تعالیٰ کی ذات و صفات کے اثبات اور اسلامی نظریہ توحید و رسالت، امت کی بعثت کی اہمیت سے سے کر معاد، حیات بعد الموت و دیگر اہمات عقائد تک اور آسمانی مذاہب و ادیان کی عمومی ضرورت اور ان میں اسلام کی فوقیت سے لیکر دینی و نبوت کی حقیقت وغیرہ صدامضامین پر مشتمل ہو سکتی ہیں۔ حجم کے لحاظ سے بھی بڑی چھوٹی اور منجھولی کتابوں میں ان حقائق کو مختلف صورتوں اور طریقوں سے بیان کیا جائے، کہ حق و یقین کی یہ صدا ہر ایک کان تک پہنچ جائے۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے۔ کہ مغرب کی عمومی استیلاء اور معاشی ضروریات نے ان علوم و فنون کا حصول ایک حد تک ناگزیر کر دیا، اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ کس طرح ان علوم کے منفعت والے پہلوؤں سے فائدہ اٹھایا جائے، اور مفسد اثرات سے بچنے کی کیا صورتیں اختیار کی جائیں۔

خذ ما مفادہ ما کدد۔ مجھ جیسے ہر مبتدی کا کام نہیں، بلکہ بقول مولانا دومؒ

مرغ پر نارستہ چوں پڑاں شود طعم ہر گریہ دراں شود

مزید براں ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ آج صرف طبعی علوم کی مختلف شاخوں یا دیگر علوم ہی کو اخذ کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی، بلکہ علوم کے حصول سے پیشتر اپنی تہذیب و تمدن، ثقافت و شعائر یہاں تک کہ عبادت و اخلاق طرز ماند و بود تک کو خیر باد کہہ دیا جاتا ہے۔ اسلام

محض عقائد یا چند تعبدی رسوم کا نام نہیں، بلکہ اپنی خاص تہذیب و معاشرت اور طریقہ حیات بھی رکھتا ہے۔ جو زندگی کے جزو کل پر حاوی ہے، جب معاشرت و تہذیب اخلاق و ثقافت چھوڑ دی جاتی ہے۔ تو اس کے ساتھ زندگی کی بے شمار اسلامی حقیقتیں بھی گم ہو جاتی ہیں، بہر حال ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے امت کو ایک عظیم اور ہمہ جہتی لائحہ عمل اختیار کرنا ہے۔ کہ نئی پود جدید تعلیم یافتہ اور امت کا ذہین گروہ اسلام ہی کی رونق اور قوت کا سبب بنے۔ اور ہمیں یہ نہ کہنا پڑے۔

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را
اس سلسلے میں پہلا قدم اسلامی ممالک میں نظام تعلیم میں بنیادی تبدیلی کا ہے۔ ہمارے نظام تعلیم کی خشتِ اول اور بنیادی نقطہ امت میں دین کے بقا و دینی زندگی کے احیا اور عالم میں دین کی اشاعت و فروغ ہونا چاہئے۔ اور اس کے ساتھ دوسرے عمرانی، معاشی اور طبعیاتی علوم اس پنج سے پڑھائے جائیں کہ وہ علوم ہماری اسلامی زندگی پر مضر اثرات نہ ڈال سکیں۔ ہم ان علوم کو اسلام کا خادم اور مسلمانوں کی دنیاوی معیشت کا مددگار سمجھ کر حاصل کریں، نہ کہ وہ ہماری زندگی کا مقصد اور نصب العین اس طرح بن جائیں کہ ان کی غلط طلب میں دین کا چشمہ حیات ہی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ اور ذریعہ کے حصول میں مقصد ہی ہاتھ سے جاتا رہے۔

اس کے لئے ہمیں ابتدائی جماعتوں سے لیکر بی۔ اے تک اسلامی تعلیم ہر طالب علم کے لئے ایک مضمون کے طور پر لازمی قرار دینی ہوگی، اور محض ضابطہ اور اشک ثنوی کے لئے دینیات کا مضمون نہیں پڑھانا ہوگا۔ بلکہ جملہ علوم میں اسے ممتاز اور نمایاں حیثیت دینی ہوگی۔ اسکی اہمیت و فوقیت کو واضح کرنا ہوگا، کہ اگر ہم اپنی آئندہ نسلوں کو اسلام پر قائم رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔

گر تو ہی خواہی مسلمان زیستن نیست ممکن جہز بقراں زیستن

دینیات کا نصاب اس طرح مرتب کیا جائے کہ تمام ضروری اسلامی علوم سے ایک گوندہ واقفیت حاصل ہو جائے۔ اور اگر کوئی شخص بعد میں ان علوم کی کسی شاخ میں تکمیل و بہارت حاصل کرنا چاہے تو آسانی سے کر سکے۔ ذریعہ تعلیم پانچویں تک ملکی زبان ہو، اور اس کے بعد عربی کو اس طرح شریکِ نصاب کیا جائے کہ فوقانی جماعتوں تک پہنچتے ہوئے عربی زبان میں دینیات کی کتابیں

پڑھی جاسکیں، تفصیلات کا یہ پیغام نہیں۔ ماہرین تعلیم و علماء مناسب نصاب تعلیم، طریق کار اور لائحہ عمل بنا سکتے ہیں، جہاں مسلمان محکوم ہیں، وہاں مساجد و مکاتب کا منظم نظام اس کی کچھ پورا کر سکتا ہے۔

تعلیم کے ساتھ دوسری اہم بات تربیت ہے۔ صحیح اسلامی تربیت کے فقدان اور اسلامی معاشرہ کے انحلال نے امت کے کثیر طبقہ کو دین سے بیگانہ کر دیا ہے۔ تربیت کے لئے صحیح اسلامی ماحول و معاشرہ پیدا کرنا امت کا فریضہ ہے۔ جدید طبقہ کے لئے اس کمی کو دارالاقامہ کے قیام سے ایک حد تک دور کیا جاسکتا ہے۔ جن کالجوں، سکولوں یا یونیورسٹیوں میں اقامتی و رہائشی سہولیات ہیں وہ اس سے پورا فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان ہاسٹلوں میں رہنے والے طلباء کو اسلامی ذہن و عمل، دین کا درد و فکر رکھنے والے سنجیدہ دتین، شفیق اساتذہ کی نگرانی میں رکھا جائے۔ طلبہ کو ان کی درسی کتابوں کے مطالعہ اور اپنے خاص مضمون کی تیاری کے علاوہ باقی اوقات میں ایسے مشاغل میں مصروف رکھا جائے جو ان کی جسمانی و علمی نشرو نما کے ساتھ ان کی روحانی اور اسلامی زندگی بنانے میں مدد و معاون ہوں، طلباء کی دینی تعلیم و تربیت کا کما حقہ بندوبست کیا جائے۔ ان کے افعال و اعمال کی نگہداشت کی جائے، ان میں ہر قدم پر اسلام کی عظمت کا احساس، دینی شعور، دینی دعوت کا قوی داعیہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ کم از کم اسلامی فرائض و واجبات کی پابندی لازمی قرار دی جائے، منہیات و فواحش اور اس کے لوازمات و داعی کے اشتغال سے روکا جائے۔ اس سلسلہ میں ہر واکراہ کی بجائے رافت و شفقت، محبت و راحت کی راہ اختیار کی جائے، اور نبوی طرز کے مطابق ترغیب و تشویق سے اعمال دینی کی رغبت پیدا کی جائے۔ اور حکیمانہ تربیب و تنذیر سے برائیوں کی نفرت پیدا کرانی جائے۔ ان میں امت کے فریضہ منصبی کی اہمیت اور اس کی ادائیگی کا جذبہ پیدا کرنے کیلئے تبلیغ و دعوت کی مجالس اور اس کی عملی مشق کی ہمت افزائی کی جائے۔ ہر سکے تو چھٹیوں کے اوقات میں دینی دعوت کے لئے جماعتیں بنانا کر بھیجا جائے۔ (جیسا کہ، جکل سوشل ورک کیلئے طلباء جانتے ہیں۔) اور وہ دین کی ابتدائی اور بنیادی متفق علیہ باتوں ہی کی دعوت دیں۔ اختلافی اور مشکل مسائل کا تذکرہ نہ کریں، دعوت سے ان کی اپنی تربیت بھی ہوگی اور جن دیہات میں جائیں گے، ان کی اصلاح کی بھی انشاء اللہ صورتیں پیدا ہوں گی، اگر امت ان تجاویز کو حکمت و دانائی، ہمت و جرات، محنت و استقامت سے اپنانے کی کوشش کرے، تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ

کی توفیق و نصرت ہے دینی و الحاد کے موجودہ سیلاب کو روک دے۔ اور نئی پود الحاد و ارتداد سے بچ سکے، اصحاب فکر و درد اس بارے میں اس سے اچھی تجاویز پیش کر سکتے ہیں، مقصود اصلاح ہے، اللہ تعالیٰ امت کی اس فتنہ عظیم میں مدد فرمائے، اور ہمیں اس سیلاب کے رخ کو ہدایت کی طرف پھر دینے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

یہاں ضمناً ایک دوسرے خطرے کی طرف بھی اشارہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں، مسیحیت دینی حیثیت سے اپنی تمام قوت و کشش و حقانیت کھو چکی ہے، لیکن مغربی استعمار و استیلاء کے زیر سایہ آج عیسائی مشنری اسلامی ممالک میں تعلیمی اداروں اور ہسپتالوں کے ذریعہ سادہ لوح جاہل مسلمان عوام کو جس طرح بہکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ ایک اندوہناک المیہ اور ملت کی بے بسی کا ثبوت ہے۔ مشنری مفلک الحال اور مصیبت زدہ طبقات میں اپنی دعوت مالی امداد اور دیگر دنیادی لالچوں کے ذریعے پھیلاتے ہیں۔ ہیچمڈاں نے اردن میں فلسطینی مہاجرین میں اور مشرقی بنگال کے سیلاب زدہ لوگوں میں ان کے انہیں طریقوں کو دیکھا ہے۔ ہسپتالوں میں ان کی ظاہری خوش خلقی اور خدمت کے پیچھے ہی گھناؤنا مقصد کام کر رہا ہوتا ہے۔ مشنری تعلیمی ادارے ہمارے معصوم بچوں کے ذہنوں کو جس طرح مسموم کرتے ہیں اور امت کے اندر "ایک غیر ملکی ذہن" والا طبقہ پیدا کرتے ہیں، کوئی پوشیدہ بات نہیں، ہمارا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ اگر وہ اسلامی ممالک کی امداد کرنا چاہتے ہیں تو ہسپتال، تعلیمی ادارے، اور امداد کی دوسری صورتیں وہ ملک کی حکومت کے حوالہ کر دیں۔ اور یہ ادارے قومی تحویل میں کام کریں اور یہ امداد سرکاری ذرائع سے تقسیم ہو، پھر اگر وہ اپنی دعوت و تبلیغ میں مصروف بھی رہیں گے تو اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔



بقیہ: اسلام متجددین کے نرغے میں کے محدود دائرہ میں اپنی آخری جائے پناہ بنائی۔ یعنی شادی، طلاق، وراثت اور ان سے متعلق مسائل جو کہ مذہبی عدالتوں میں فقہاء کے ذریعہ فیصلہ ہوتے تھے۔ ترقی پہلا ملک تھا جس نے اس طرح کی مذہبی عدالتوں کو ختم کیا۔ مذہبی عدالتوں کے خاتمہ کے ساتھ محدود ازدواج کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ ٹیونس کی نئی سلطنت نے حبیب برقیہ کی قیادت میں ۱۹۵۶ء میں اس کی پیروی کی۔ مگر رمضان میں مہینہ بھر کے روزہ کو ختم کرنے کے سلسلہ میں اس کی کوشش ناکام ہو گئی۔ مصر نے ۱۹۵۹ء میں ایک کم تر درجہ کا انقلابی قدم اٹھایا جبکہ اس نے مذہبی عدالتوں کو ختم کر دیا، اور یہ حکم دیا کہ تمام مقدمات عام ملکی عدالتوں میں سول ججوں کے سامنے پیش ہوں گے۔ البتہ ذاتی نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ مذہبی قانون کے مطابق کیا جائے گا۔